بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

دُنیا میں سب سے مشکل کام اپنے آپ پر کوئی پابندی لگانا ہے۔ نمائشی پابندی اور چیز ہے، لیکن حقیقی پابندی جسے نہ کوئی مسلسل دیکھنے والا ہو، نہ نگرانی کرنے والا، نہ خلاف ورزی پر پکڑ دھکڑ ہو، نہ ظاہراً سزا ملے، نہایت کٹھن گھاٹی ہے۔

اور دین کیا ہے؟ اپنے اُوپر از خود ایک نہیں، کئی کئی پابندیاں لگا لینا اور پھر لوگوں کے سامنے بھی، اُن سے اوجھل ہو کر، کمرے میں بند رہ کر بھی، کسی دوسرے مقام پر جا کر بھی، ان ساری پابندیوں کا بوجھ ہنسی خوشی اُٹھائے رکھنا انسانی شخصیت کا عروج کمال ہے۔

پابندیوں سے کسی شخص کو کسی دائرے میں نجات نہیں، یہ الگ بات ہے کہ اس بوجھ کو اُٹھانے والا محض نمائش کو پسند کرے۔ بعض اشخاص کو اپنا ظاہری لباس دکھا کر خوشی خوشی عام لوگوں سے مفاد سمیٹ لے، لیکن ایسی شخصیتیں دیمک خوردہ اور کردار پلاسٹک کے خول ہوتے ہیں۔

اِس دنیا نے جو کچھ بھی اچھائی پائی ہے، انہی لوگوں سے پائی ہے جنہوں نے خدا کو مانا، انبیاء علیہ السّلام کی تعلیم ہدایت قبول کی اور پھر اپنے آپ کو بعض اُصولوں، عقیدوں اور قدروں کا رضا کارانہ طور پر پابند کر لیا۔ حد یہ کہ اُن کے اختیار کردہ مسلک نے اگر مال مانگا تو دل کھول کر لُٹایا، جان مانگی تو ہنستے مسکراتے خاک و خون میں لوٹ گئے۔ بعض اوقات وطن اور اہل و عیال سے ہزاروں میل دُور ڈیوٹیاں انجام دیں۔

اسی طرح اس دُنیا کو جتنا شرّ و ضرر پہنچا ہے، وہ سب ان لوگوں کے ذریعے پہنچا ہے جنہوں نے اپنے آپ کو کسی اُصول، کسی ضابطے، کسی اخلاق اور کسی قدر کا پابند نہیں بنایا۔ انہوں نے ہمیشہ اپنی خواہشات کو زندگی کی باگ ڈور سونپ دی، کسی مفاد نے جدھر سے پکارا، اُدھر لپک گئے۔ کسی آسائش و آرام نے جس جانب سے اشارہ دیا اُس جانب دوڑ پڑے۔ اُنہوں نے انسانیت کی ہر قدر کو تباہ کیا اور انسانیت کی ہر خوبی کو کچل کے رکھ دیا۔ خصوصیت سے انسانوں کی یہ قسم تہذیب نو نے اتنی افراط سے پیدا کر دی۔ جبکہ وہ عالمی پیمانے پر غالب و کار فرما ہے۔ نتیجہ یہ کہ آج کا دَور تشدّد کے لحاظ سے، جرائم کے لحاظ سے، اقلیتوں کی تباہی کے لحاظ سے، وحشیانہ سلوکوں کے لحاظ سے اور ایک نئی جنگ کی مہلک ترین تیاریوں کے لحاظ سے قرون مظالم سے زیادہ خوفناک اور انسانی لحاظ سے انسان مایوس کُن ہے۔

آج نئی پُر امن دُنیا بنانے کے لیے پھر انبیاء کی دعوت کے تیار کردہ انہی بندوں کی ضرورت ہے جو اپنے اخلاقی فرائض اور تربیتی پابندیوں کو رضاکارانہ جذبے سے قبول کریں اور اپنی مرکزی ذمرداری یہ قرار دیں کہ ہم سچائی، انصاف اور شرافت کی ایک نئی دُنیا کے معمار ہیں اور ہمیں زندگیوں کی ساری قوتیں، سارے اموال، ساری دماغی و جسمانی صلاحیتیں، ملاقاتوں اور مجالس میں کام کرنے والی زبان کی قوتیں اسی مہم میں صرف کرنی ہیں ـــــ نتائج چاہے آج ملیں یا آج کے سو سال بعد آنے والے لوگوں کو، اور چاہے آخرت ہی میں ملیں، ہمیں کوئی نقد قیمت اپنی خدمات کی نہیں چاہیے۔

دوسری عبادات کے علاوہ ہر سال کے لیے ماہ رمضان کے روزے فرض اسی لیے کیے گئے ہیں کہ رضاکارانہ طور پر اپنے اُوپر پابندی لگانے والے سال میں ایک مرتبہ نسبتاً زیادہ سخت پابندیوں میں رہنے کی کوشش کریں۔ یہ ایک مشق ہے جس کا مقصد صبر اور تقویٰ کی صفات کا پیدا کرنا ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ رضاکارانہ طور پر اختیار کردہ پابندیوں کے اس تربیتی مہینے میں اپنی وہ قوت بڑھا لیں

جس کا مقصد ایک مادہ پرست دُنیا کی جگہ خدا پرست اور انسان دوست دنیا کا پیدا کرنا ہے۔

تھوڑے سے دن رہ گئے ہیں کہ عیدالفطر کا مبارک دن آئے گا۔ خدا ہر مسلمان کو یہ موقع مبارک کرے۔

مگر یاد رہے کہ عیدالفطر کو اگرچہ بعض پابندیاں اُٹھالی جاتی ہیں، لیکن عیدالفطر کی اپنی بھی کچھ پابندیاں ہیں۔

رمضان کے حقوق ادا کرنے والوں کے لیے عیدالفطر اس بات کی خوشی کا دن ہے کہ مہینے بھر کے ایک تربیتی پروگرام کو انھوں نے پورا کر لیا۔

مگر یہ مبارک خوشی بھی عام لوگوں کی ان خوشیوں سے مختلف ہوتی ہے جنہیں وہ بے روک ٹوک ہر طرح کے لہو ولعب بلکہ بداطواریوں اور بدکرداریوں میں گذارتے۔ یہاں عیدالفطر کا دن نماز صبح سے شروع ہوتا ہے جس میں چھوٹے چھوٹے بچے بھی شریک ہوتے ہیں۔ مناسب قسم کی مسرتوں کا دروازہ بند نہیں۔ شیر خرما اور سویوں کا ہر طرف دور دورہ ہوتا ہے۔ بچے طباخ یا ٹرے لیے دستر خوان سے ڈھک کر ادھر کا پکوان اُدھر لے جا رہے ہیں اور اُدھر کا ادھر۔

عیدالفطر کی مرکزی روح دوگانہ عید ہوتی ہے۔ اس نماز کے لیے لوگ صاف ستھرے اور نئے کپڑوں میں کھُلے میدانوں میں بھی جمع ہوتے ہیں، اور بہت سی مسجدوں میں بھی۔ نماز کے بعد جابجا مصافحے اور معانقے ہوتے ہیں اور فرداً فرداً احباب وغیرہ ایک دوسرے کو مبارک باد کہتے ہیں۔ اس کی اصل بھی اخوتِ اسلامی کو تازہ کرنا ہے۔

تکبیریں کہتے ہوئے نماز کو جانا اور تکبیریں کہتے ہوئے واپس آنا ایک عجیب سماں پیدا کر دیتا ہے۔

رمضان اور نمازِ عید ہی سے متعلق ایک اہم سنّت فطرانہ دینے کی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مفلوک الحال لوگ بھی رمضان اور عیدالفطر سے اپنا معاشی حصّہ پائیں۔ بہت سے اہلِ علم تو عید سے چند دن قبل مستحقین کا محلے میں معلومات لے کر انہیں بروقت امانت پہنچا دیتے ہیں، بعض عید کے دن نماز

سے پہلے پوچھتے اور ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ کہاں کوئی مستحق موجود ہے۔

آپ یہ سب کچھ دیکھیں اور اندازہ کریں کہ خود عید پر کتنی پابندیاں ہیں۔ ورنہ عید بھی کرسمس کا تہوار بن کے رہ جاتی اور ہر حیوانی حرکت رائج ہوتی۔

عید کا یہ ابتدائی حصہ ضروری ہے اور اس میں بالعموم کھانوں کا مرحلہ نپٹنے تک دوپہر ہو جاتی ہے۔ کھانوں میں بھی کبھی یوں ہوتا ہے کہ ایک جگہ پھیلے ہوئے ایک ہی خاندان کے مختلف گھر عید کی خوشی اکٹھے منانے کے لیے جمع ہو جاتے ہیں اور پھر شام کے لیے بعض گھروں کو دوستوں عزیزوں کے ہاں سے دعوت آتی ہے۔

مردوں کا لباس اچھا ہوتا ہی ہے، اس سے اگلا مرحلہ عورتوں کا ہے اور اس سے آگے پھر بچوں کا۔ کوئی دعوتوں کو جا رہے ہیں، کوئی چڑیا گھر دیکھنے کے لیے نکلے ہیں، اسی طرح شاہی مسجد اور شالامار باغ وغیرہ یادگاروں کی طرف بہت سی تعداد منقسم ہو جاتی ہے۔

عید کا یہ حصہ جو عام دُنیوی طرز کی خوشی کے لیے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اُصولی پابندیوں کے بغیر چھوڑ دیا، یہ ایک انسانی ضرورت ہے، مگر حضورؐ نے مخلوط مجالس، پردے کی آزادی، رقص اور سرود کی ناپاک کیچڑ کو قریب پھٹکنے نہیں دیا، کیونکہ ان کی اصل لڑائی تو اُن طور طریقوں والی تہذیب کے خلاف تھی۔ یعنی عید کی تفریحات تو ہوں گی مگر لغویات نہیں ہوں گی۔

اب خیال کرو کیا عظیم ہستیاں تھیں (رضی اللہ و رضوا عنہ) جنھوں نے نہ صرف عام زندگیوں کے ہر شعبے تک بلکہ خوشی منانے پر بھی تمام اخلاقی پابندیوں کو رضاکارانہ نافذ کیا۔

مَیں نے عید الفطر کے سلسلے میں پابندیوں کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ آج کے لوگ بعض پابندیوں کو توڑتے جا رہے ہیں۔ کسی مسلمان معاشرے میں ناچ اور گانے اور گولڈن نائٹس منانے اور شراب لنڈھانے کے کرتوت کب ہوتے تھے۔ حضورؐ کے دور میں؟ خلفائے راشدین کے دور میں؟ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں ایسی حرکات سے کبھی مجالس کو آلودہ کیا؟

دوسری بلا جو میں کسی بیل کی طرح بڑھتی پھیلتی دیکھ رہا ہوں ——— علی الخصوص باہر سے وافر روپیہ آنے والے خاندانوں ——— کے رنگ ڈھنگ بدل کر اسراف بلکہ اسراف میں مقابلہ یا

نمائش کا انداز پیدا ہو رہا ہے۔ نہ صرف ملکی ماحول کا کوئی لحاظ نہیں رہا، دوسروں کی خدمت کا جذبہ کم ہو رہا ہے۔ بلکہ تماشا یہ کہ کچی بستیوں کی گندی جگہوں کے باسی جب ایسے موقعوں پر سامنے آتے ہیں تو خیال ہوتا ہے کہ یہ نواب ہیں، مگر شکل اور گفتگو بتاتی ہے کہ دو بٹی پلیٹ ہے۔ کہاں کسی گوالن کے بچے اور سوٹ انگلش سلائی اور ڈیزائن وہی رکھا ہے۔ جس گھر کی اصل انڈسٹری پاتھی انڈسٹری ہے، مگر بی بی جب ٹوکرا بھر کر بیچنے نکلے گی تو ایسے جاپانی اور چینی طرز کا لباس پہنے گی کہ آدمی اس کا تماشا دیکھنا رہ جائے۔

سو خدا را اس اسراف اور نمائش کاری پہ نہ نکلو اور اپنے آپ کو اخلاقی پابندیوں میں رہ کر دنیا کی عظیم قوت بننے کا فیصلہ کرو۔

خطوطِ مودودیؒ — رفیع الدین ہاشمی، سلیم منصور — ۲۵/- روپے

مولانا مودودیؒ کے معاشی تصورات — محمد اکرم خاں — ۱۸/- ″

فقہ الزکاۃ — یوسف القرضاوی — مکمل سیٹ — ۱۱۰/- ″

البدر پبلی کیشنز۔ اردو بازار، لاہور